قیامِ پاکستان کے بعد اُردو لسانیات کے بدلتے رجحانات کا جائزہ

Trends of Urdu Liguistics in Post-Pakistan era

عظیم اللہ جندران

ڈاکٹر محمد ارشد اویسی

Abstract

This article deals with the discussion about Urdu Linguistics. It covers the era of Urdu linguistic studies perspectives spanned over post-independence period particularly in Pakistan. The study of Urdu linguistics sought new angles and new dimensions after the establishment of Pakistan Applied linguistics and stylistics got emphasis hereby structural analysis of Urdu language become popular. The study of language in its religio-socio cultural perspective became the topic of hot discussion phonology and grammar became the other important topics of research in post-independence period. Some work upon coining of new terms was also visible. However, Urdu lexicography in Urdu Linguistics is still under developed range. It awaits due attention.

Key words: *Urdu liguistics, Applied linguistics, post-independence period*

۱۹۴۷ء کے بعد اردو لسانیات کا تیسرا اور اہم دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں اردو کے لسانی مطالعے میں بھی آزادیٔ رائے کو اولیت حاصل ہوئی۔ پرانے تصورات و اعتقادات سے انحراف کیا گیا۔ پیش رووں کے نظریے پر آنکھ بند کر کے بھروسہ کرنے کی بجائے توضیح و تجزیے پر توجہ دی گئی۔ اس سے قبل اردو لسانیات زبانوں کے تاریخی و تقابلی مطالعے تک محدود تھی۔ زبانوں کے توضیحی و تجزیاتی مطالعے خال خال دیکھنے کو ملتے تھے۔ زبانوں کے اصول و قواعد نیز لغات کی ترتیب و تدوین میں بھی روایتی طریقۂ کار اپنایا جاتا تھا لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد یہ سارے رجحانات یکسر بدل گئے۔ لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آئی اور نئے تصورات نے جنم لیا۔

آزادی سے قبل تک اردو زبان کے آغاز کے سلسلے میں محمود شیرانی کے نظریے کے مطابق سرزمینِ پنجاب کو اولیت حاصل تھی لیکن آزادی کے بعد اس کا بھی زور ختم ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں مسعود حسین خاں کی تحقیق ''مقدمۂ تاریخ زبانِ اردو'' جب منظرِ عام پر آئی تو اس سے اردو کے لسانی مطالعے میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔

مسعود حسین خاں کی تحقیق کے بعد اردو میں ماہرینِ لسانیات کی ایک ایسی کھیپ سامنے آئی جس

نے توضیحی لسانیات کے مختلف شعبے صوتیات، تجز صوتیات، نحویات اور معنیات وغیرہ کا باضابطہ مطالعہ شروع کیا۔خصوصاً ۱۹۵۳ء میں پونا میں لسانیات کے مختصر مدتی سرما اور طویل مدتی گرما اسکولوں کے آغاز سے اردو میں باضابطہ خالص لسانیاتی نقطۂ نظر سے مطالعے کی بنیاد پڑی۔علاوہ ازیں اس دور میں، مرزا خلیل بیگ کے لفظوں میں ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں بشمول علی گڑھ میں شعبۂ لسانیات قائم ہو جانے سے بھی اس کی رفتار میں تیزی آئی۔(۱)

آزادی کے بعد اردو میں اطلاقی لسانیات کا بھی فروغ ہوا۔لسانیات کے جدید اصولوں کا اطلاق اردو قواعد، لغات، وضعِ اصطلاحات، طریقۂ تدریس، اصلاحِ زبان، رسم الخط، نیز ترجمہ اور ادب میں کیا جانے لگا۔ اطلاقی لسانیات میں سب سے زیادہ اسلوبیات کی جانب توجہ دی گئی۔

اسلوبیات کے ساتھ ساتھ ساختیات، پس ساختیات اور سماجیاتی لسانیات جیسے شعبے بھی منظرِ عام پر آئے۔اردو میں بھی ان علوم کی اچھی پیش کش ہوئی اور کئی اہم ماہرِ لسانیات ابھر کر سامنے آئے۔غرض کہ اس دور میں اردو لسانیات نے کئی روپ اختیار کیے اور جدید نقطۂ نظر سے اس کا دامن کافی وسیع ہوا۔اردو لسانیات کی اس جدت اور وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے اس دور کے اردو ماہرینِ لسانیات کی خدمات کا تفصیلی و توضیحی مطالعہ لازمی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد سائنٹفک لسانیات کے کامیاب نمونے پیش کرنے والوں میں ایک اہم نام شوکت سبزواری (۱۹۰۵ء تا ۱۹۷۳ء) کا ہے۔اردو میں تاریخی و تقابلی مطالعے کے ساتھ ساتھ توضیحی و تجزیاتی لسانیات پر ان کی مضبوط گرفت ہے۔لسانیات کے موضوع پر انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سب سے پہلے ''اردو زبان کا ارتقا'' (۱۹۵۶ء) منظرِ عام پر آئی۔ یہ ان کی پی ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے جسے کچھ ترمیم و اضافے کے بعد کتابی صورت عطا کی گئی۔اس کتاب میں سبزواری نے اردو زبان کے آغاز و ارتقا سے بحث کرتے ہوئے ہند آریائی زبان کے آپسی تعلقات اور اردو پر ان کے پڑنے والے اثرات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔اس طرح تاریخی لسانیات کے ساتھ ساتھ ان کی یہ کتاب تجزیاتی و توضیحی لسانیات کی بھی ایک اچھی مثال پیش کرتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اردو زبان کے آغاز سے متعلق اس میں بیان کیا گیا ان کا نظریہ قبول نہ ہو سکا۔محی الدین قادری زور لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب میں بھی مسعود صاحب کی طرح جدید لسانیاتی نقطۂ نظر سے کام لیا گیا ہے اور اس کے آخر کے ابواب میں اردو کے اکثر و بیشتر صوتی اور لسانیاتی ارتقا پر فنی طریقے پر روشنی ڈالی گئی ہے لیکن اصل مسئلے کے بارے میں شوکت صاحب یورپی مضمون کے اقتباسوں اور متضاد بیانات کی بھول بھلیوں میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔''(۲)

اس بابت گیان چند کا کہنا ہے:

> ''ڈاکٹر سبزواری نے ''داستانِ زبانِ اردو'' میں واضح کیا کہ دال اور چاول کو ملا کر کھچڑی تو بن سکتی

ہے لیکن دو زبانوں کو ملا کر تیسری زبان نہیں بنائی جاسکتی اور یہ حقیقت ہے ۔ زبان کے بنیادی مادے اور اصول کسی ایک زبان کے ہوں گے ۔ ماخوذ زبان کو اسی ماخذ زبان کی بدلی ہوئی شکل کہا جائے گا۔'' (۳)

اس دور میں اردو کے بڑے نقاد سید احتشام حسین (۱۹۱۲ءتا۱۹۷۲ء) نے بھی اردو کے لسانیاتی مطالعے میں خاص دلچسپی لی۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو لسانیات کو اس کے تہذیبی اور سماجی پس منظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ لسانی موضوعات پر احتشام حسین نے کئی اہم مضامین لکھے جو ان کے متعدد مجموعۂ مضامین میں شامل ہیں لیکن ان کی جس لسانی کوشش نے ان کے لسانیاتی شعور کو واضح کیا وہ ہے ''ہندوستانی لسانیات کا خاکہ'' (۱۹۴۸ء) اگرچہ یہ احتشام حسین کی طبع زاد تصنیف نہیں بلکہ یورپین اسکالر جان بیمز کی مختصر تصنیف "An Outline of Indian Philology" کا اردو ترجمہ ہے لیکن اس کی ابتدا میں اردو لسانیات سے متعلق احتشام حسین کا جو وسیع ، مبسوط اور پر مغز مقدمہ شامل ہے وہی اس کتاب کی جان ہے۔

احتشام حسین نے جس واقعے سے متاثر ہو کر لسانیات میں دلچسپی لینی شروع کی وہ اردو ہندی کا نزاعی مسئلہ ہے۔ وہ خود کہتے ہیں:

''اس وقت اردو ہندی اور ہندوستانی کی جو گتھی ہر ناخن کے لیے حوصلہ شکن بن رہی ہے اس کے حل کرنے میں قومی جذبات سے زیادہ لسانیات کا مطالعہ مدد دے سکتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کا ترجمہ پیش کرنے کی جرأت کی ہے۔'' (۴)

مقدمے کے علاوہ مختلف لسانی موضوعات پر احتشام حسین نے جو مضامین لکھے ہیں ان سے بھی ان کے لسانیاتی شعور کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان مضامین میں خاص طور سے ''اروکا لسانیاتی مطالعہ''، ''زبان اور رسم الخط''، ''صحتِ زبان کا مسئلہ''، ''زبان اور تہذیب''، ''ہندآریائی: مسلمانوں کی آمد سے پہلے''، ''اردو رسم الخط: چند خیالات'' اور ''اردو کے لیے ہندی رسم الخط'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اس دور کے لسانی محققین میں عبدالستار صدیقی نے خصوصاً اردو قواعد، صرف ونحو اور املا سازی سے متعلق اہم مطالعے پیش کیے۔ انھوں نے لسانیاتی نقطۂ نظر سے اردو قواعد اور املا کی اصلاح اور معیار بندی کی کوشش کی۔ اس ضمن میں عبدالستار صدیقی کا لسانیاتی شعور نہایت پختہ اور منضبط ہے۔ انھوں نے اردو املا سے متعلق کسی بھی موضوع کو اٹھایا اس کے مسائل اور نتائج کو سامنے لانے میں پوری تحقیق اور جستجو سے کام لیا۔ اسی لیے محمود الٰہی نے کہا تھا:

''ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ہر مقالہ ایک کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔'' (۵)

عبدالستار صدیقی کے مقالات بیسویں صدی کے وسط میں مختلف علمی و تحقیقی رسائل اور مرتب کردہ کتب میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کے مقالات کا ایک مجموعہ ''مقالاتِ صدیقی'' (۱۹۸۳ء) کی شکل میں سامنے آیا

جس میں اردو الفاظ اور املا سے متعلق کئی اہم مباحث بھی شامل ہیں۔ان میں کل سترہ مضامین ہیں،اس کا پہلا مضمون ''اردو املا'' ہے۔

شوکت سبزواری کے بعد سہیل بخاری (۱۹۱۴ء تا ۱۹۹۰ء) پاکستان سے تعلق رکھنے والے دوسرے بڑے لسانی محقق کی شکل میں آتے ہیں۔سہیل بخاری نے اپنی کئی کتابوں میں اردو زبان کے آغاز وارتقا کا مفصلاً جائزہ لیا مثلاً ''اردو کی زبان'' (۱۹۶۳ء)، ''اردو کا روپ'' (۱۹۷۱ء) اور ''اردو کہانی'' (۱۹۷۵ء) میں اس کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے۔سہیل بخاری اردو کے آغاز کے سلسلے میں مسلمانوں کی ہند آمد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ان کے مطابق اردو ایک خالص ہندوستانی زبان ہے جو دراوڑی زبان کی ایک شاخ ہونے کی وجہ سے قدیم دور سے یہاں بولی اور سمجھی جاتی رہی ہے۔

آزادی کے بعد ماہرینِ لسانیات میں مسعود حسین خاں (پ ۱۹۱۹ء) کا نام سرِفہرست ہے۔انھوں نے زبانوں کی تاریخ وتقابل کے ساتھ ساتھ صوتیات، تجزِصوتیات، تشکیلیات، نحویات، اسلوبیات، تدوینِ متن، لغات، اصولِ زبان، اصلاحِ رسم الخط اور عروض وآہنگ سے متعلق تمام موضوعات کو اپنے مطالعے کا مرکز بنایا۔ بقول نذیر احمد ملک:

> ''ان کا شمار اردو کے مقتدر ترین ادیبوں اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔شاعری، تنقید، تحقیق، تدوینِ متن، لسانیات وغیرہ میں انھوں نے قابلِ قدر کارنامے انجام دیے ہیں، لیکن لسانیات، صوتیات اور اسلوبیات سے انھیں خاص دلچسپی رہی ہے۔چنانچہ وہ شاعر، نقاد اور محقق سے زیادہ ماہرِ لسانیات کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔''(۶)

مسعود حسین خاں کی لسانی خدمات ایک عہد پر محیط ہے۔ان کی تحقیق ''مقدمۂ تاریخ زبانِ اردو'' نے انھیں ایک عہد ساز شہرت عطا کی۔ڈاکٹر حامد اللہ قادری لکھتے ہیں:

> ''مسعود حسین اردو دنیا میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔زور کے بعد وہ پہلے ادیب ہیں جنھوں نے اردو زبان اور اس کے مسائل کو مستقل طور پر لسانیاتی نقطۂ نظر سے جانچنا شروع کیا ----۔بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''مقدمۂ تاریخِ زبان اردو'' اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔''(۷)

اس دور میں سرزمینِ دکن میں ایک ایسے ماہرِ لسانیات ابھر کر سامنے آتے ہیں جن کی پوری زندگی علمی، ادبی اور خصوصاً لسانی تحقیق سے عبارت ہے وہ ہیں اورنگ آباد سے تعلق رکھنے والے عصمت جاوید (۱۹۲۳ء تا ۲۰۰۲ء)۔بالخصوص اردو قواعد اور زبان کے سائنٹفک اور تجزیاتی مباحث میں ان کا نام اس دور کے صفِ اول میں آتا ہے۔انھیں اردو زبان اور اس کے اصول وقواعد سے فطری لگاؤ تھا۔

''فکر پیما'' (۱۹۷۱ء) عصمت جاوید کی پہلی تصنیف ہے جس میں چند کامیاب لسانیاتی مباحث بھی شامل ہیں۔اس کتاب کا پہلا مضمون ''اردو زبان کے ذیلی صوتیے'' ہے۔ذیلی صوتیے دراصل کسی صوتیے میں پنہاں ان متعدد آوازوں کو کہتے ہیں جنھیں خفیف سے خفیف فرق کی بنا پر الگ کیا جا سکے۔اردو میں کئی ایسے خفیف صوتیے ہیں جن پر شوکت سبزواری اور گوپی چند نارنگ وغیرہ نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ان شخصیات کی گفتگو کے مدِ نظر عصمت جاوید نے اردو صوتیوں سے متعلق اپنا خصوصی مطالعہ پیش کیا۔

آزادی کے بعد اردو کی لسانی تحقیق میں گراں قدر خدمات انجام دینے والوں میں ایک اہم نام گیان چند جین (۱۹۲۳ءتا۲۰۰۷ء) کا آتا ہے۔انھوں نے اردو لسانیات کے کم وبیش تمام شعبے کو اپنے مطالعے کا موضوع بنایا۔ بالخصوص ان کے مطالعے کا دائرہ اردو کی تاریخی اور توضیحی تحقیق کے اردگرد گھومتا ہے۔اس کے علاوہ اردو میں لسانیات کے نظریاتی اصولوں پر مبنی ایک ضخیم اور قابلِ قدر تصنیف ''عام لسانیات'' (۱۹۸۵ء) کے نام سے پیش کی۔بقول مرزا خلیل بیگ:

> ''یہ کتاب کافی چھان بین اور گہرے مطالعے نیز غور وفکر کے بعد لکھی گئی ہے۔اس میں لسانیات کے تمام شعبوں کے مبادیات سے بحث کی گئی ہے۔ نیز لسانیات کے میدان میں جو جدید رجحانات سامنے آئے ہیں اور جونئی تحقیقات ہوئی ہیں ان کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔الغرض عمومی لسانیات پر لکھی جانے والی کتاب کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں۔''(۸)

لیکن اس کتاب سے زیادہ مقبولیت ان کی کتاب ''لسانی مطالعے'' (۱۹۷۳ء) کو حاصل ہوئی جو اردو کے تاریخی اور توضیحی مطالعے پر مبنی ہے۔اس کتاب میں انھوں نے اردو صوتیات، رسم الخط، آغاز کے نظریے، اس کی بولیاں، لفظیات اور دیگر موضوعات پر سائنٹفک انداز سے روشنی ڈالی ہے۔

اس جدید لسانیاتی دور میں اقتدار حسین خاں نے سائنٹفک نقطۂ نظر سے علمِ لسانیات کا مطالعہ پیش کیا۔ان کی کتاب ''لسانیات کے بنیادی اصول'' (۱۹۸۵ء) لسانیات کے خالص بنیادی مباحث پر مبنی ہے۔ان کی دو اور مختصر کتابیں ''اردو صرف ونحو'' (۱۹۸۵ء) اور ''صوتیات اور فونیمیات'' (۱۹۹۴ء) لسانیات کی مذکورہ شاخوں صرف، نحو، صوتیات اور فونیمیات کا سائنٹفک مطالعہ پیش کرتی ہیں جس کی توضیح اردو زبان پر کی گئی ہے۔غرض کہ اقتدار حسین خاں نے لسانیات کے خالص سائنٹفک مطالعے کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔

جمیل جالبی (پ۱۹۲۹ء) نے ''تاریخ ادب اردو'' (۱۹۸۶ء) میں کچھ مباحث لسانیاتی نوعیت کے بھی پیش کیے ہیں جن میں ایک ''اردو زبان کا آغاز وارتقا'' ہے۔وہ مختلف لسانی اور تاریخی شواہد کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلم حملہ آور نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا تو ان کا تصادم ہندوستانیوں سے ہوا اور انھی دونوں کے میل جول سے کئی مخلوط زبانوں کو جنم لیا۔

عبدالغفار شکیل (پ ۱۹۲۹ء) نے وقتاً فوقتاً مضامین کی شکل میں اپنے لسانیاتی مباحث پیش کیے جو بعد میں دو مجموعے ''زبان اور مسائلِ زبان'' (۱۹۷۴ء) اور ''لسانی وتحقیقی مطالعے'' (۱۹۷۵ء) کی شکل میں سامنے آئے۔عبدالغفار شکیل کا ماننا ہے:

''زبان ایک سماجی عطیہ ہے جو زمانے کے ساتھ ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔'' (۹)

گوپی چند نارنگ (پ ۱۹۳۱ء) کا تعلق بھی اردو لسانیات کے اسی تیسرے دور سے ہے۔ان کی ایک اہم پیش کش ''اردو کی تعلیم کے لسانیاتی پہلو'' (۱۹۶۱ء) ہے۔اس کتاب میں انھوں نے غیر اردو داں کو اردو سکھانے کے بنیادی پہلوؤں پر لسانیاتی زاویے سے روشنی ڈالی ہے۔رشید حسن خاں کی کتاب ''اردو املا'' (۱۹۷۴ء) ترقی اردو بورڈ (ہند) سے شائع ہوئی۔اس کتاب میں اردو املا سے متعلق کم وبیش تمام پہلوؤں پر رشید حسن خاں نے پوری شرح وبسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔رشید حسن خاں کے وقت تک اردو میں دو لفظوں کو ملا کر لکھنے کا رواج عام تھا۔انھوں نے اسے اردو املا کا عیب تصور کیا اور بتایا:

''مرکب لفظ دو یا دو سے زیادہ لفظوں سے بنے ہوں، آپس میں ملا کر نہ لکھے جائیں، بلکہ ہمیشہ الگ الگ لکھے جائیں۔البتہ ان کے درمیان فاصلہ صرف اتنا ہی ہو جتنا ایک ہی لفظ کے دو ٹکڑوں کے بیچ ہیں، جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہو گا ۔ جیسے آج کل ، بن مانس، کل جگ۔۔۔۔وغیرہ۔'' (۱۰)

اور انھی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ایسے الفاظ کو الگ الگ لکھنے کی کوشش جاری ہے۔

دورِ حاضر میں اردو کے لسانیاتی مطالعے میں ایک اہم نام شمس الرحمٰن فاروقی (پ ۱۹۳۵ء) کا آتا ہے۔ بقول مرزا خلیل بیگ: ادب کو پہچاننے اور پرکھنے میں انھوں نے وہی مشاہداتی، تجزیاتی، معروضی اور سائنسی طریقۂ کار اختیار کیا ہے جو ایک ماہرِ لسانیات یا ماہرِ اسلوبیات اختیار کرتا ہے، خصوصاً اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ انھوں نے کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔''شعرِ شور انگیز'' اور دیگر کتابوں کے علاوہ ان کا ایک قابلِ قدر مضمون ''مطالعہ اسلوب کا ایک سبق'' معروضی، تجزیاتی اور سائنسی تنقید کا بہترین نمونہ پیش کرتا ہے۔علاوہ ازیں ان کی کتاب ''اردو کا ابتدائی زمانہ'' (۱۹۹۹ء) اردو اور ہندی کے بیچ کے تنازعے کو جس معروضی نقطۂ نظر سے پیش کرتی ہے اس سے شمس الرحمٰن فاروقی کے گہرے لسانیاتی اور تحقیقی شعور کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔

سلیم اختر (پ ۱۹۳۴ء) نے اپنی کتاب ''اردو زبان کی مختصر ترین تاریخ'' (۱۹۹۵ء) میں دیگر لسانی مباحث کے علاوہ اردو کے آغاز کے نظریے سے بھی بحث کی ہے۔اپنی اس بحث کو انھوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلے حصے میں ان نظریوں کو شامل کیا ہے جو کسی خاص خطے سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً محمود شیرانی، نصیر الدین ہاشمی

اور سید سلیمان ندوی نے علی الترتیب ، پنجاب میں اردو، دکن میں اردو اور سندھ میں اردو کی بات کی ہے جب کہ دوسرے حصے میں وہ نظریے شامل ہیں جن کا تعلق کسی خاص زبان سے ہے۔

خلیل صدیقی نے بھی جدید لسانیات سے متعلق کئی اہم تصنیفات اردو لسانیات کی جھولی میں ڈالیں۔ ''زبان کا ارتقا''(۱۹۷۷ء) ،''زبان کیا ہے؟'' (۱۹۸۹ء) ،''لسانی مباحث'' (۱۹۹۱ء)اور''آواز شناسی'' (۱۹۹۳ء) ان کی اہم لسانیاتی تصانیف ہیں۔ان کتابوں میں زبان اور لسانیات کے علاوہ آوازوں کی ساخت اور ان کی نوعیت،اصولِ قواعد ولغت اور اصلاحِ زبان جیسے موضوعات پر تجزیاتی گفتگو پیش کی گئی ہے۔

ابواللیث صدیقی (پ ۱۹۳۸ء) کی لسانی تحقیق کا شعبہ بھی جدید اردو لسانیات ہے۔ان کی تحقیقات معروضی اور بیانات تجزیاتی ہوتے ہیں۔انھوں نے جدید لسانیات کی روشنی میں کئی اہم مقالات اور کتابیں لکھیں جن کا اردو لسانیات کی روایت میں اپنا ایک مقام ہے۔ان کے مقبول ومعروف مقالوں میں ''صوتی تغیرات''،''اردو کا صوتی نظام''اور''لسانیاتی مطالعے میں شماریاتی امدادی طریقوں کا استعمال'' وغیرہ اہم ہیں۔

نصیر احمد خاں (پ۱۹۴۴ء) ان کا سب سے اہم کارنامہ ''اردو کی بولیاں اور کرخنداری کا عمرانی لسانیاتی مطالعہ'' ہے جو ۱۹۷۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ یہ ان کے پی ایچ۔ڈی کا مقالہ'' کرخنداری اردو کا توضیحی مطالعہ'' کی توسیع شدہ شکل ہے۔زبان ایک سماجی عمل ہے۔خصوصاً بولیاں جو اس کی چھوٹی اکائی ہوتی ہیں وہ عوامی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہوتی ہیں۔ایسے میں بولیوں کا سماجی نقطۂ نظر سے اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت سارے لسانی حقائق سامنے آسکتے ہیں،یہی باتیں پروفیسر نصیر احمد خاں کی اس کتاب کی محرک بنیں۔

جدید دور میں اردو کے ماہرینِ لسانیات میں مرزا خلیل احمد بیگ (پ۱۹۴۵ء) نے اپنی محنت اور لگن سے غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل کی ہے۔مرزا خلیل احمد بیگ نے باقاعدہ لسانیات کی تعلیم حاصل کی اور شروع سے ہی اس کے درس وتدریس میں لگے رہے۔

لسانیاتی مطالعے سے متعلق مرزا خلیل احمد بیگ کی پہلی کتاب''زبان،اسلوب اور اسلوبیات'' ہے۔یہ کتاب اطلاقی لسانیات کی اہم شاخ اسلوبیات کی تاریخی،عملی اور نظریاتی مباحث کا ایک اچھا مطالعہ پیش کرتی ہے۔اسلوبیات دراصل ادب پر لسانیات کے اطلاق کا نام ہے جس میں داخلیت کی بجائے قطعیت کو اولیت دی جاتی ہے۔بقول مسعود حسین خاں:

> ''لسانیاتی اسلوبیات پر وہی شخص قلم اٹھا سکتا ہے جو ایک طرف اس علم کی تمام سطحات سے واقف ہو اور دوسری طرف شعر وادب کا رچا ہوا ذوق رکھتا ہو۔ڈاکٹر مرزا خلیل دونوں سمتوں سے مسلح ہیں۔''(۱۱)

نوے کی دہائی میں اردو کے لسانیاتی مطالعے میں ایک نام خورشید احمر اصدیقی کا آتا ہے۔ان کی کتاب

''اردو زبان کا آغاز'' (۱۹۹۳ء) جب منظرِ عام پر آئی تو اس نے اردو کے آغاز کے نظریے کو ایک نئی جہت دینے کی کوشش کی اور کثرت میں وحدت کی تلاش کا راستہ دکھایا۔ اس کتاب میں انھوں نے اردو کے آغاز سے متعلق قدیم تا جدید تمام نظریات کا تنقیدی جائزہ مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے تقسیم ہو جانے سے اردو کے لسانی محققین دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ آزادی کے بعد پاکستان میں اردو زبان کا توضیحی و تجزیاتی مطالعہ پیش کرنے اور اس کے آغاز و ارتقا کو نئے سرے سے سمجھنے والوں میں شوکت سبزواری اور سہیل بخاری پیش پیش رہے۔ انھوں نے اردو کے آغاز سے متعلق اپنا مخصوص نظریہ بھی پیش کیا اور اس کا تعلق ہندوستان کی انتہائی قدیم زبانیں ویدک اور دراوڑی زبانوں سے جوڑا۔ ان کے بعد پاکستان میں ابواللیث صدیقی خلیل صدیقی، انور شبنم دل اور فرمان فتح پوری وغیرہ نے اردو لسانیات کے جدید مطالعے میں دلچسپی دکھائی۔ ان کے علاوہ پاکستان میں سید عبداللہ، سلیم اختر، عین الحق فرید کوٹی، جمیل جالبی، عطش درانی اور ڈاکٹر محبوب عالم خاں وغیرہ نے بھی اردو لسانیات کا تاریخی، تقابلی اور توضیحی مطالعہ کامیابی کے ساتھ پیش کیا۔

آزادی کے بعد اردو لسانیات کے دامن میں وسعت آئی اور کئی جدید لسانیاتی رجحانات سامنے آئے۔ اس دور میں جدید لسانیات کی تمام شاخیں ___ اسلوبیات، سماجی لسانیات، نفسیاتی لسانیات، ساختیات وغیرہ شعبوں میں لسانیات کے نئے نئے گوشے شامل ہوئے۔ علاوہ ازیں اردو حروف، املا، تلفظ، رسم الخط، وضعِ اصطلاحات، تصرف بیانی، قواعد نویسی، لغت نگاری، ترتیب و تدوین وغیرہ پر جدید اصولوں کے مدِنظر ان کی جدید کاری کی کوششیں کی گئیں۔ ان مسائل کے پیشِ نظر اس دور میں اردو لسانیات کو نئی جہت عطا کرنے والوں میں رشید حسن خاں، گیان چند جین، شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ، عصمت جاوید، عبدالستار دلوی، اقتدا حسین خاں، عبدالغفار شکیل، مغنی تبسم، نصیر احمد خاں، مرزا خلیل احمد بیگ وغیرہ کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ ان ماہرین نے جدید اردو لسانیات کے مطالعے میں غیر معمولی رول ادا کیے۔ اطلاقی لسانیات میں اسلوبیات کے علاوہ اردو میں تدریسی لسانیات، سماجی لسانیات اور نفسیاتی لسانیات کی بھی اچھی توضیح پیش کی گئی۔ خصوصاً اردو کی بولیوں کو ان کے سماجی لسانیاتی پس منظر میں سمجھنے کی خاص کوشش کی گئی۔ اردو میں ان موضوعات پر لکھنے والوں میں گوپی چند نارنگ، عبدالستار دلوی، نصیر احمد خان، مرزا خلیل احمد بیگ اور فرمان فتح پوری کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس دور میں ان لوگوں نے اردو کو تدریسی، سماجی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے سمجھنے کی بھی کوشش کی۔ اردو کے آغاز کے نظریے کو بھی نئے نقطۂ نظر سے سمجھنے کا رجحان سامنے آیا۔ اس حلقے میں اختر اورینوی، گیان چند جین، حمید الدین قادری شرفی، مرزا خلیل احمد بیگ، سلیم اختر اور خورشید حمرا صدیقی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

آزادی کے بعد اردو زبان اور لسانیات سے متعلق دیگر موضوعات پر بھی اہم کارنامے انجام دیے گئے۔ مثلاً اردو رسم الخط کی اصلاح اور معیار بندی، اردو میں دخیل الفاظ، صحتِ زبان اور تلفظ، تذکیر و تانیث، وضعِ

اصطلاحات، اردو اور ہندی کا لسانی رشتہ، اردو کے دیگر علاقائی زمانہ بہت تیز رفتار ہے اور تیزی سے آگے قدم بڑھا رہا ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی ہمارے سامنے ایک سوالیہ نشان قائم کر رہی ہے کہ آخر اردو لسانیات اب تک ریاضیات اور کمپیوٹر سے بیگانی کیوں ہے؟ یہ کام کسی فرد سے زیادہ ادارے کا ہے اور اداروں میں مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد اور قومی کونسل، دہلی کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ ادب کی تخلیق اور فروغ ہو یا زندگی اور سماج کی ترقی زبان ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنی ترقی کے لیے جدید لسانی تحقیق اور اس کے عصری تقاضے پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

تنویر احمد علوی اور مشفق خواجہ جیسے محققین نے بھی شعبۂ لسانیات میں گراں قدر اضافے کیے ہیں لیکن چونکہ ان کی کتابیں لسانیاتی مباحث کو اہمیت دینے کی بجائے اردو کی تہذیبی، ادبی اور فنی پہلوؤں کو اولیت دیتی ہیں۔

اردو لسانیات کی سمت و رفتار کو متعین کرنے میں کچھ خاص رسائل و جرائد اور اردو ادارے و مراکز کا بھی اہم رول رہا ہے جس کے ذریعے اردو کے لسانیاتی مطالعے سے متعلق کئی اہم کتب اور رسائل منظرِ عام پر آئے۔ رسائل میں ''اخبارِ اردو'' اسلام آباد، ''فکر و تحقیق''، دہلی، ''اردو دنیا'' دہلی، ''ہماری زبان'' دہلی، ''ہندوستانی زبان'' ممبئی، ''کتاب نما'' دہلی، ''پرواز'' لندن کے نام اہم ہیں اور مراکز میں انجمن ترقی اردو ہند و پاک، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو، دہلی، اردو سے متعلق لسانیاتی کارنامے انجام دے رہے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ اردو زبان اور اس کے دیگر مسائل سے متعلق آج تجزیاتی اور معروضی مطالعے سامنے آرہے ہیں لیکن بعض گوشوں کی رفتار دھیمی ہے۔ اردو لسانیات کی ایک اہم شاخ ''تدوین اللغات'' کس مپرسی کے دور سے گزر رہی ہے۔ لغات کی تدوینِ نو کی بجائے عکسی یا باز اشاعت پر ہی ''نیا ایڈیشن'' کی مہر لگا لغات فروخت کی جا رہی ہیں، کیا یہ ہمارے لیے لمحۂ فکریہ نہیں؟ بغائر جائزہ لیں تو اردو لسانیات دوسری عالمی زبانوں کی لسانیات سے بہت سست گام ہے۔ خصوصاً امریکا اور یورپ جیسے ملکوں میں اس علم نے نہایت ترقی کی۔

حواشی:

۱۔ خلیل احمد بیگ، مرزا، لسانی تناظر (دہلی: باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)
۲۔ محی الدین قادری زور، ''اردو کی ابتدا''، مشمولہ اردو زبان کی تاریخ، مرزا خلیل بیگ (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۸۔
۳۔ گیان چند جین، ''اردو زبان اور فارسیت''، مشمولہ حقائق، ص ۳۶۱۔
۴۔ احتشام حسین، سید، دیباچہ، ہندوستانی لسانیات کا خاکہ (لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۶۷ء)، ص ۵

۵۔ محمود الٰہی، پیش لفظ، مقالاتِ صدیقی (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء)
۶۔ نذیر احمد ملک، ''مسعود حسین کی صوتیاتی تحقیق''، مشمولہ نذر مسعود، مرزا خلیل احمد بیگ (علی گڑھ: آفسٹ پریس، ۱۹۸۳ء)، ص ۳۲۶۔
۷۔ حامد اللہ ندوی، ڈاکٹر، لکھنؤ کی لسانی خدمات (بمبئی: مہاتما گاندھی ریسرچ سنٹر، ۱۹۷۵ء)، ص ۱۲۶۔
۸۔ خلیل بیگ، مرزا، لسانی تناظر (دہلی: باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء)، ص ۶۹۔
۹۔ عبدالغفار شکیل، زبان اور مسائلِ زبان (علی گڑھ: شعبہ لسانیات مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۶ء)، ص ۹۔
۱۰۔ رشید حسن خاں، اردو املا (دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۷۴ء)، ص ۴۶۱۔
۱۱۔ مسعود حسین خاں، مقدمہ، مشمولہ زبان ، اسلوب اور اسلوبیات، از خلیل بیگ (علی گڑھ: زبان و اسلوب، ۱۹۸۳ء)، ص ۸۔

ماخذ

احتشام حسین، سید۔ ہندوستانی لسانیات کا خاکہ۔ لکھنؤ: دانش محل، ۱۹۶۷ء۔

حامد اللہ ندوی، ڈاکٹر۔ لکھنؤ کی لسانی خدمات۔ بمبئی: مہاتما گاندھی ریسرچ سنٹر، ۱۹۷۵ء۔

خلیل احمد بیگ، مرزا۔ لسانی تناظر۔ دہلی: باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔

خلیل بیگ، مرزا۔ زبان ، اسلوب اور اسلوبیات۔ علی گڑھ: زبان و اسلوب، ۱۹۸۳ء۔

خلیل بیگ، مرزا۔ لسانی تناظر۔ دہلی: باہری پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء۔

رشید حسن خاں۔ اردو املا۔ دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۷۴ء۔

عبدالغفار شکیل۔ زبان اور مسائلِ زبان ۔ علی گڑھ: شعبہ لسانیات مسلم یونیورسٹی، ۱۹۷۶ء۔

محمود الٰہی، مرتب۔ مقالاتِ صدیقی۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء۔

محی الدین قادری زور، ''اردو کی ابتدا''، مشمولہ اردو زبان کی تاریخ، مرزا خلیل بیگ۔ علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۰ء۔

نذیر احمد ملک۔ ''مسعود حسین کی صوتیاتی تحقیق''، مشمولہ نذر مسعود، مرزا خلیل احمد بیگ۔ علی گڑھ: آفسٹ پریس، ۱۹۸۳ء۔